

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ

دینی مدارس اسلام کے قلعے

جدید اجتماعی و سیاسی تغیرات نے بہت سے قومی و مذہبی مسائل کو موضوع بحث بنا دیا ہے اور زندگی کے بہت سے شعبوں اور اداروں کی ضرورت اور فائدہ پر بحث و تنقید کا دروازہ کھل گیا ہے، مسلمانوں کے بعض حلقوں میں سنجیدگی کے ساتھ یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ عربی مدارس کی اس انقلابی زمانہ میں کیا ضرورت ہے اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی کا کون سا خانہ خالی رہتا ہے آج کی صحبت میں ہم اسی سوال کے جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

اس سلسلہ میں چند بنیادی حقائق کا سمجھ لینا ضروری ہے جو اس مسئلہ میں مبادی کا کام دیں گے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ مسلمان قوم کا مزاج اور اقوام دنیا کی تمام قوموں سے مختلف ہے، مذہب امت مسلمہ کے خمیر اور ترکیب میں داخل ہے یہ قوم کسی جگہ اور کسی وقت بھی غیر مذہبی نہیں ہو سکتی بلکہ مذہب اور ایک متعین مذہب (اسلام) کے بغیر اس کا تصور ہی ممکن نہیں، مذہب اس کے فکر و عمل کا مرکز، اس کے کاموں کی صحت و غلطی اور اس کی ترقی و تنزل کی میزان اور اس کی صحت طبعی اور انحراف مزاج کا مقیاس ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس امت کی بنیاد ایک خاص قانون (شریعت) اور ایک خاص دستور (قرآن و حدیث) پر ہے، یہ قانون مکمل اور یہ دستور منضبط ہے، اس امت کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی زندگی اور فکر کا سرچشمہ تغیر پذیر، انسانی اجتہادات و تجربات اور غیر قطعی نظریات کے بجائے وحی الہی ہے، دنیا کی دوسری تہذیبوں کے برخلاف اس کی تہذیب و تمدن کی بنیاد دیواروں اور ستونوں، میناروں اور گنبدوں، مآخذ کے شیرازوں، تصویروں کے نقوش اور موسیقی کے آلات پر نہیں ہے، بلکہ چند لبدی حقائق چند اصول و نظریات اور اس مخصوص اخلاقی فلسفہ پر ہے جو وحی سے ماخوذ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے، دنیا کی دوسری ”خود رو“ اور ”خود ساختہ“ قوموں کے برخلاف اس کے مستقبل کی بنیاد اس کے ماضی پر ہے، اس کے سامنے زندگی کا ایک بلند ترین معیار اور ترقی کا آخری نمونہ ہے اور یہ نمونہ گزر چکا ہے، لیکن تاریخی و تحریری طور پر محفوظ ہے، یہ سنت رسولؐ اسوہ صحابہؓ اور خلافت راشدہ کا عہد ہے ”سنت“ اور ”سلف“ کی جو اہمیت اسلامی تعلیمات میں ہے، غالباً کسی دوسرے مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ مذہب کا مفہوم اسلامی میں اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، اس کے دوسرے مذہبوں

نہیں ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو اسلام کے صحیح نقطہ نظر اور تعلیمات نبویؐ کے مطابق سچے مسلمان کی پوری زندگی دین ہے اور نیت کے تغیر سے اس کا ہر کام عبادت ہے اس لئے اس میں دین و دنیا کی وہ تقسیم نہیں ہے جو مسیحی مذہب میں ہے نہ دین و دنیا کے شعبے اور ان کے اشخاص اس طرح علیحدہ علیحدہ اور ان کے حدود ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں جس طرح عیسائیوں میں مذہب مسلمان کی زندگی میں جلد موثر ہوتا ہے اور جلد متاثر اگر اس کی زندگی کے مسائل نہایت ہو شیری اور احتیاط کے ساتھ دین کی روشنی میں اور اس کی مصالحت اور سمجھوتہ سے طے نہ کئے جائیں تو نہایت آسانی سے وہ دین سے نکل جاتے ہیں اور مسلمان کی زندگی اور اس کے مذہب پر ان کا اثر پڑتا ہے مثال کے طور صلح و جنگ کے قوانین، تقریرات لیں دین کے معاملات اور کتنے اجتماعی و معاشرتی سیاسی اور معاشی مسائل ہیں جن کا مذہب سے گہرا تعلق اور اسلامی قانون سے ارتباط ہے ان مسائل کو طے کرنے کے لئے کتنی دینی بصیرت اور کس قدر علم کی ضرورت ہے۔

جس قوم کا مزاج اتنا نازک اور پیچیدہ ہو اور جس کے مذہب و قانون کا دائرہ اتنا وسیع ہو اس کے علاج و طبی مشورہ کے لئے کیسے مزاجداروں و نباض اور کیسے حافظ کی ضرورت ہے۔

جو طبقہ یا جماعت مسلمانوں کی رہنمائی کے منصب کی امیدوار ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے قانون اور دستور سے واقف ہو اس سرچشمہ سے سیراب ہو جس سے اس کی زندگی کی نہریں پھوٹی ہیں اور اس کی رگوں میں اس کا آب حیات جاری ہے ان لبدی حقائق کا علم اور ان اصول و نظریات پر یقین رکھتا ہو اور اس اخلاقی فلسفہ کا قائل اور حامل ہو جس پر اس کے تمدن و تہذیب کی بنیاد ہے اس کے ماضی سے باخبر اور اس بلند معیار اور نمونہ سے متاثر ہو جس پر امت کے حال و مستقبل کی تعمیر ہونی چاہیے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حقیقت سمجھ لینی چاہیے اسلام دراصل نام ہے اس مستقل واضح اود متعین دینی اخلاقی اور اجتماعی نظام کا جو محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں لے کر آئے اسی کا نام شریعت محمدیؐ ہے اس میں عقائد بھی ہیں اعمال اخلاق و معاملات بھی باقی جو کچھ ہے یا اس کے لئے وسیلہ ہے یا اس کا نتیجہ امت کا سب سے بڑا فریضہ اس نظام کی حفاظت ہے عقائد کی حفاظت بھی ضروری ہے اور احکام کی حفاظت بھی! ضرورت ہے کہ عقائد ان تمام تحریکات سے محفوظ رہیں جو دوسرے مذاہب میں پیش آئیں اور جس کا اس امت میں بھی ہر وقت خطرہ ہے ضرورت ہے کہ نبوت محمدیؐ نے ذات و صفات باری تعالیٰ تو حید و رسالت قضاء قدر و حشر و نشر امور غیب اور وحی کے متعلق جو تشریح کی ہے اور ان کے جو حدود قائم کئے ہیں وہ باقی رہیں اس لئے کہ ان تمام مسائل کی بنیاد قیاس و تخمین پر نہیں بلکہ وحی و نبوت پر ہے اور نبوت محمدیؐ نے اس کی تکمیل کر دی ہے۔

احکام پر عمل اسی طرح ہو جس طرح آنحضرت ﷺ نے کیا اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہوا شرعی

احکام و عبادات میں ترمیم و اضافہ (بدعت) سے مذہب کو محفوظ رکھا جائے پرانے آسمانی مذاہب ان بدعات کی وجہ سے اس طرح مسخ ہوئے کہ اب ان کے انبیا کے لئے ان مذاہب کا پہچاننا ممکن ہے۔ پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ ان عقائد و احکام کی برابر اشاعت و تعلیم ہوتی رہے اس لئے کہ دین کی بقا اسی پر منحصر ہے۔

اسکے علاوہ امت محمدی کی بعثت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا میں بھلائی کی تلقین (امر بالمعروف) اور برائی کی ممانعت (نہی عن المنکر) کرتی رہے ایک آیت میں امت کی پیدائش و ظهور کا مقصد بتایا گیا ہے۔

کنتم خیر امتہ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر و تومنون باللہ۔ (ال عمران ع ۱۲) ”تم سب امتوں سے بہتر ہو جو وہ عالم میں بھیجی گئی، اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو“

لیکن یہ امت کا حیثیت مجموعی فریضہ ہے اگر اس میں سے ایک معتد بہ جماعت یہ فرض انجام دے تو گویا پوری امت یہ فریضہ انجام دے رہی ہے اس لئے دوسری آیت میں امت کے ایک بڑے گروہ کا جس پر خود امت کا اطلاق ہو سکے یہ فریضہ بتایا گیا ہے مگر اس ”امت صغریٰ“ کا پیدا کرنا اور اس کو اس کا موقع دینا خود ”امت کبریٰ“ کا فرض قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

ولتکن منکم امتہ یدعون الی الخیر وبامرون بالمعروف وینہون عن المنکر
”تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے“ (ال عمران ع ۱۱)

اس تقسیم عمل کے اصول کو یہ آیت اور زیادہ واضح کرتی ہے:

وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولانفر من کل فرقۃ منهم طائفة یتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون۔

”اور یہ تو ہونے لگتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں تو یوں کیوں نہ کریں کہ ہر جماعت میں سے چند اشخاص نکل جائیں تاکہ دین کا علم سیکھیں اور اس میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو خوف دلائیں تاکہ وہ کچھ خوف کریں۔“ (توبہ ع ۱۵)

نہایت آسانی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ مندرجہ بالا فرائض نظام شرعی کی حفاظت عقائد و احکام کو اپنے مقام پر رکھنا اور ان کو تحریف و بدعات سے چھاننا شریعت کی اشاعت و تعلیم اور تبلیغ و اصلاح کے فرائض قوم کا کون سا طبقہ انجام دے سکتا ہے۔

اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ نظام شرعی کی حفاظت اور اس کے لئے اپنا قربانی صرف وہ طبقہ

کر سکتا ہے جس کی ذہنی اور عملی تربیت اس کے موافق ہوئی ہو جس کے رنگ و ریشہ میں اس نظام کی محبت اور اس کا عشق و احترام بیوست ہو گیا ہو اور جس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اس کا یقین اتر گیا ہو اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب اس نظام پر کوئی ضرب لگائی گئی یا اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو ہمیشہ یہی طبقہ بے چین ہوا اور سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر آیا، حضرت حسینؑ، زید شہیدؑ، محمد ذوالنفس الزکیہؑ، ابراہیم بن عبد اللہؑ کی قربانیاں اور سرفروشی اور اموی و عباسی محرف نظام سلطنت کے خلاف تحریک جہاد اسلامی نظام کی حفاظت کی کوششیں ہی تھیں پھر ان خونین معرکوں کے مظلوم شہداء اگر عالم کملانے کے مستحق نہیں تو روئے زمین پر پھر عالم دین کملانے کا مستحق کون ہے؟ ان کے حامیوں اور مددگاروں میں بھی سرفرست نام امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

جب عباسی سلطنت کی طرف سے امت پر جبریہ خلق قرآن کا عقیدہ مسلط کیا جانے لگا تو اس خطرناک تحریف والحاد اور اس غیر اسلامی عقیدہ کے خلاف وقت کی سب سے بڑی شہنشاہی کے مقابلہ میں حفاظت دین کے لئے جو شخص تمام میدان میں آیا وہ جماعت علماء کا ممتاز فرد امام احمد بن حنبلؒ تھا جس کے عزم و استقامت اور ایمان کے سامنے حکومت وقت کو جھکنا پڑا اور یہ عقیدہ تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے آج کتنے مسلمان ہیں جو اس کا مطلب بھی سمجھتے ہیں۔

تیسری صدی کے آغاز میں جب عباسی سلطنت کی غفلت سے بغداد میں سخت ابتری، فسق و فجور اور بد امنی پھیلی تو دو عالموں خالد الدریوش اور سہیل بن سلامۃ الانصاری نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور قوت و جمعیت کے ساتھ من رای معمم منکر اظہیرہ ہیدہ پر عمل کرنا شروع کر دیا، جس کی پاداش میں دو دونوں گرفتار ہوئے اور قید کر دیئے گئے۔ (۱)

بعد کے زمانے میں دو جلیل القدر عالم حضرات شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام ابن جوزیؒ نے اسلامی نظام اخلاق کی حفاظت اور مسلمانوں کی روحانی و دینی اصلاح کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں ان کے انظار کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد اسلامی نظام کو اپنے مرکز اصلی پر لانے کے لئے عقائد کو رسول اللہ کی تفہیم اور صحابہؓ کے فہم کے مطابق سمجھنے کے لئے امام ابن تیمیہؒ نے جو علمی و عملی خدمات انجام دیں وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

ہمارے ہندوستان میں اسلام کے نازک ترین دور میں جب (مورخ اسلام کے الفاظ میں) عجم کے ایک جادوگر نے بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہو گئی اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ

امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتشکدے گرمائے عیسائیوں نے ناقوسیں بجائیں، برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوگ و تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانے کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا (۲) تو جو مسلمان مجاہد اس ”فتنہ اکبر“ کے مقابلہ کے لئے میدان میں آیا اور جس نے سلطنت مغلیہ کا رخ ہی بدل دیا اور جس کی عہد آفریں تحریک اور انقلاب انگیز تجدید نے اکبر کے گھرانے میں عالمگیر جیسا متشعر فرمانروا اور حامی دین پیدا کیا وہ علما ہی کا سر تاج مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تھا۔

اس کے بعد آج اس وقت تک ان نجی دیار میں اس غریب الوطن عربی مہمان کی جس نے سر پرستی اور حفاظت کی اور ہوا کے طوفانوں میں اس چراغ کو جو بار بار چراغ سبزی بنا گل نہ ہونے دیا وہ علما، بانی کا مشہور بابرکت خاندان ہے جس میں شاہ ولی اللہ صاحب اپنے مجددانہ علمی کارناموں اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہید اپنی قربانی اور سرفروشیوں کی بنا پر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ بھی حفاظت دین، رد بدعات، اصلاح رسوم اور اتحاد و زندقہ کے مقابلہ کا جتنا کام اس وقت تک ہوا اور اس وقت بھی ہو رہا ہے وہ سراسر اس حلقہ سے ہو رہا ہے۔ اگر دین اور اس کے شرعی نظام کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو محض ایک قوم بن کر نہیں بلکہ صاحب شریعت و کتاب قوم بن کر رہنا ہے تو مذہب کے مخالفین و حاملین اور شریعت کے ترجمان و شارحین کی ضرورت ہے اور اگر ان کی ضرورت ہے تو نا محالہ ان مرکزوں اور اداروں کی ضرورت ہے جو ایسے اشخاص پیدا کر سکتے ہیں اور یہ ضرورت مسلمانوں کی ہر قومی ضرورت سے اہم ہے۔

خلافت راشدہ کے طرز کی اسلامی سلطنت میں بھی دینی مدارس اور تربیت گاہوں کی ضرورت ہے تاکہ امت کے اسلامی جسم میں ہر دم تازہ خون پہنچتا رہے، اہل نظر جانتے ہیں کہ جس نظام کی پشت پر ایسا ادارہ یا تربیت گاہ نہ ہو جو اس قسم کے اشخاص پیدا کرتا رہے جو اس نظام کو چلا سکیں اگلوں کی جگہ لے سکیں اور اس مشین میں فٹ ہو سکیں اس نظام کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی اور اس کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

اگر برائے نام اسلامی سلطنت بھی ہے تو بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو اپنے ذمہ دارانہ عہدوں کے لئے دیندار امین اور مسلمانوں کی ضرورت سمجھنے والے کارکن مل سکیں۔ لیکن اگر کسی ملک میں بد قسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں ایسے اداروں کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے اگر کوئی جماعت کسی صحیح اسلامی حکومت کی کچھ نہ کچھ قائم مقامی کر سکتی ہے اور حفاظت دین کا فرض انجام دے سکتی ہے تو وہ صرف

جماعت علما ہے چنانچہ اسی قلعہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندان نے اسلامی تعلیم اور دینی درس و تدریس کا نظام قائم کیا جس نے بڑی حد تک ایک اچھی اسلامی ریاست کی دینی ضرورتیں پوری کیں۔ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ عملی حیثیت سے اسلام ہندوستان میں ان ممالک سے بہتر حالت میں ہے جہاں برائے نام اسلامی سلطنت موجود ہے مگر وہ اپنی آزاد مدارس کا کوئی نظام یا خاندان ولی الہی کی شان کے علما نہیں پیدا ہوئے۔

جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحب فراست علما نے جاننا اسلام کی شریعت و تہذیب کے قلعے تعمیر کر دیئے۔ انہیں قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت و تہذیب انہیں قلعوں میں پناہ گزین ہے اور اس کی ساری قوت و استحکام انہیں قلعوں پر موقوف ہے۔

سلسلہ مطبوعات مؤتمر المصنفین (۲۹)

اقتدار کے ایوانوں میں شریعت بل کا معرکہ

(مولانا سمیع الحق)

ملک کی تاریخ میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کا روشن باب 'ایوان بالا سینیٹ اور قومی سیاست میں نظام اسلام کی جنگ' آغاز 'رفار کار' صبر آزما مراحل کی لمحہ بہ لمحہ روئید اور مستقبل کے لائحہ عمل کے علاوہ خارجہ پالیسی، عورت کی حکمرانی، جہاد افغانستان اور اہم قومی و ملی اور بین الاقوامی مسائل پر فکر انگیز گفتگو اور سیر حاصل تبصرے

ملنے کا پتہ: مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ، پاکستان